پروفیسر محمد صدیق

اقبال اور مسینون

ہندوستان میں تحریک آزادی مختلف مراحل طے کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں نئے دستور میں تجاویز کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی، تو یہ بات واضح طور پہ سامنے آئی کہ ہند کی تمام سیاسی جماعتوں بالخصوص مسلم لیگ اور کانگرس کے نقطۂ نگاہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس ذہنی اور اصولی خلیج کو پاٹنے کے لیے برطانیہ نے لندن میں گول میز کانفرنس کا اہتمام کیا تاکہ آئینی مسائل کا متفقہ حل تلاش کیا جا سکے۔

پہلی گول میز کانفرنس نومبر ۱۹۳۰ء سے ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء تک جاری رہی۔ اس کا افتتاح جارج پنجم شاہ برطانیہ نے لندن میں کیا۔ اس کانفرنس میں علامہ اقبال کو شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ دوسری گول میز کانفرنس، ستمبر ۱۹۳۱ء سے شروع ہو کر یکم دسمبر ۱۹۳۱ء تک منعقد ہوتی رہی۔ تیسری گول میز کانفرنس کا اجلاس ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء سے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ کو شرکت کی دعوت دی گئی اور آپ ان دونوں کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔

تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جب علامہ انگلستان کو روانہ ہوئے تو سید امجد علی ان کے رفیقِ سفر تھے۔ سید فقیر وحید الدین رقم طراز ہیں:

"۱۹۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جاتے ہوئے جب ڈاکٹر صاحب کا جہاز بندرگاہ "وینس" پر لنگر انداز ہوا، تو ڈاکٹر صاحب نے سید امجد علی سے جو اُن کے رفیقِ سفر تھے، فرمایا کہ یہاں سے لندن ٹرین میں چلیں گے اور راستے میں دو تین دن پیرس میں ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں وینس سے ٹرین میں سوار ہو کر پیرس پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر انھیں خوش آمدید کہنے کے لیے امراؤ سنگھ مجیٹھیا موجود تھے۔" "پیرس پہنچتے ہی ڈاکٹر صاحب نے امراؤ سنگھ مجیٹھیا سے کہا کہ مجھے پیرس میں پہلے نپولین کی قبر پر جانا ہے۔ پھر مشہور ریسرچ اسکالر مسیگ نون (مسینون) سے ملاقات کرنی ہے۔ اور تیسرا کام یہ ہے کہ میں فرانس کے شہرۂ آفاق فلسفی پروفیسر برگسان سے ملنا چاہتا ہوں۔"[1]

---

[1] روزگارِ فقیر جلد اوّل، ص ۱۳۳/۱۳۴۔ ایڈیشن ۱۹۶۶ء

امراؤ سنگھ مستقل طور پر پیرس میں مقیم تھے۔ انھوں نے شاعر اور صحافی کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی تھی، اس نے ان کو بہت سی علمی شخصیتوں کے قریب کر دیا تھا۔ برگساں اور مسینوں بھی ان شخصیتوں میں تھے، جن تک امراؤ سنگھ کی رسائی تھی۔

مسینون کے ساتھ ملاقات کے وقت سید امجد علی کے علاوہ امراؤ سنگھ بھی یقیناً موجود ہوں گے، کیوں کہ پیرس پہنچتے ہی علاّمہ نے ان سے یہ فرمائش کی تھی۔ علاّمہ نے "جاوید نامہ" مسینون کو تحفۃً ارسال کیا۔ امراؤ سنگھ علامہ کے مداح تھے۔ ان پر مضامین لکھ چکے تھے۔ ان کے اشعار کا ترجمہ انگریزی میں کر چکے تھے اور ان کے دوست تھے۔ علاّمہ نے عطیہ فیضی کے نام ایک خط، جولائی ۱۹۱۱ء کو لکھا:

"میں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ صاحب کو (جنھیں امید ہے آپ جانتی ہوں گی) لکھا ہے کہ مجھے ان اشعار کا انگریزی ترجمہ بھیجیں"[۵۲]

جب علامہ پیرس میں تھے تو اتفاق سے برگساں وہاں موجود نہیں تھا۔ اس وجہ سے برگساں سے تو ملاقات نہ ہو سکی۔ چنانچہ وہ نپولین کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ وہ مسینون سے ان کے گھر پر ملے۔ یہ ملاقات ۱۳ نومبر ۱۹۳۲ کو ہوئی۔ جس کا ذکر خود مسینون نے بھی کیا ہے۔ اس ملاقات سے علامہ نے اسلام، مطالعہ اسلام اور اہلِ مغرب کا مذہبِ اسلام سے تعصب جیسے اہم موضوعات پر بحث کی۔ اس علمی بحث کے متعلق سید وحید الدین لکھتے ہیں:

"مشہور اسکالر میسگ نون سے ملاقات کے وقت سید امجد علی، ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے میسگ نون سے دریافت کیا کہ مغرب کے مورخین کو اسلام سے جو تعصب و عناد ہے، وہ وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہا ہے اور اسلام کی صداقت و حقیقت ان پر آشکار اور واضح ہوتی جا رہی ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرانسیسی عالم نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ اب مغربی مورخین نسبتاً غیر جانب دارانہ نقطہ نگاہ سے اسلامی تحریکوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔ میسگ نون نے یہ بھی کہا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ پر مسلمانوں کے عظیم احسانات ہیں۔ انھوں نے تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا، اور تعلیم و معاشرت کے بہت سے شعبوں میں مغرب کی ترقی کے لیے نئے نئے مواقع عطا کیے ——— میسگ نون سے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات بہت دیر تک رہی، اور ان دونوں عالموں کے درمیان اہم تبادلۂ خیال ہوتا رہا"[۵۳]

---

۵۲ اقبال نامہ۔ شیخ عطاء اللہ۔ جلد دوم، ص ۱۴۹۔ ۵۳ روزگارِ فقیر جلد اوّل، ص ۱۳۵، ایڈیشن ۱۹۶۶ء

حضرت علامہ مسینون کی معروف تحقیقی کاوش "کتاب الطواسین" کے مطالعہ کے بعد ان کے زیادہ قریب ہوئے، کیوں ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کو آپ نے حافظ اسلم جے راج پوری کے نام ایک خط میں لکھا۔

"منصور حلاج کا رسالہ "کتاب الطواسین"، جس کا ذکر ابن حزم کی "فہرست" میں ہے فرانس میں شائع ہوگیا ہے۔ مؤلف (مسینون) نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصور کے متعلق لکھا ہے، اس کی اس رسالے سے پوری تائید ہوتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ غیر صوفیا قریباً سب کے سب منصور سے بیزار تھے۔ معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہوگئے۔"[۹۴]

اس خط میں علامہ ممدوح نے مسینون کی اس محنت اور علمی تحر کی تعریف کی ہے کہ انھوں نے "کتاب الطواسین" کو مفید اور پُر مغز حواشی سے آراستہ کر کے شائع کیا ہے۔

۱۷ مئی ۱۹۱۹ کو آپ کتاب الطواسین کے بارے میں حافظ صاحب کو یہ لکھتے ہیں مگر اپنے معروف خطبات میں خودی کی بحث کرتے ہوئے منصور حلاج کا ذکر کرتے ہیں اور جب سید نذیر نیازی ان خطبات کا ترجمہ کر رہے ہوتے ہیں تو تیسرے خطبے "ذاتِ الٰہیہ کا تصوّر اور حقیقتِ دعا" کے ترجمے کے سلسلے میں ان کو کتاب الطواسین کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس کی تفصیل سید نذیر نیازی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے :

"ایک روز تیسرے خطبے کے سلسلے میں جہاں خودی کی بحث آئی ہے، حلاج کا ذکر آگیا اور حضرت علامہ نے بعض مسائل کی تشریح کرتے ہوئے اس صوفی مصلوب و مظلوم کی کتاب الطواسین کا حوالہ بھی دیا جس کی شہادت نے "دار، اور رسن" اور "راز اور وعظ" ایسے الفاظ میں ایک جہانِ معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ مجھے خود بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا یونیورسٹی لائبریری میں تو شاید اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں، فرمایا "کیا مضائقہ ہے، میرا ذاتی نسخہ لے جاؤ اور بہ غور اس کا مطالعہ کرو۔

"لیکن ۳۱ جولائی ۱۹۳۰ کی شام کو جب میں لاہور سے دہلی روانہ ہوا اور حضرت علامہ سے اجازت طلب کی تو فرمایا کتاب الطواسین کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا، اسمٰعیل صاحب آج ہی بغرضِ استفادہ لے گئے ہیں، صبح آپ کی خدمت میں پہنچا دیں گے۔ حضرت علامہ نے فرمایا بہتر، لیکن میں نے دیکھا کہ "بہتر" کہتے ہوئے ان کا چہرہ کچھ متغیر

---

[۹۴] اقبال نامہ، جلد اوّل، ص ۵۴۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ

ساہو گیا جس پر مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت علامہ سے اجازت لیے بغیر مجھے کتاب اسمٰعیل کو نہیں دینا چاہیے تھی۔ میں اس وقت بڑی مشکل میں تھا۔ میرا دہلی جانا ضروری تھا اور اسمٰعیل صاحب سے ملنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ لہٰذا میرے لیے بجز خاموشی کوئی چارہ نہیں تھا۔ خجالت آمیز خاموشی جس کو شاید حضرت علامہ نے بھی محسوس کیا تھا۔ بہرحال اگلے روز دہلی پہنچ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے عزیز دوست سید سلامت اللہ شاہ سے بذریعہ تار درخواست کی کہ اسمٰعیل صاحب سے ملیں اور کتاب اگر حضرت علامہ کی خدمت میں نہیں پہنچی تو فوراً پہنچا دیں۔ لاہور سے روانہ ہوتے ہوئے بھی میں یہی بات تاکیداً اُن سے کہہ آیا تھا مگر خلافِ توقع انھوں نے میرے تار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب میں بڑا پریشان تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں۔ مارے خجالت کے حضرتِ علامہ کی خدمت میں کچھ لکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ پھر جب تیسرے روز شاہ صاحب کا خط آیا کہ اسمٰعیل صاحب تو لکھنؤ میں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ کا ایک عتاب نامہ بھی، تو میرے اضطراب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ عتاب نامہ خلافِ معمول انگریزی میں تھا، جس سے میں نے اندازہ کیا کہ مسائلِ فلسفہ یا زیادہ گہری علمی گفتگو کی طرح حضرتِ علامہ خفگی کا اظہار بھی انگریزی ہی میں کرتے ہیں۔ آخر مجبور ہو کر یہی سمجھ میں آیا کہ اس بے بسی میں ایک خط تو سید سلامت اللہ کو اور ایک لکھنؤ میں اسمٰعیل صاحب کو لکھوں۔ بارے ان کا جواب آیا کہ کتاب حضرت علامہ کی خدمت میں پہنچ گئی اور میری پریشانی دور ہوئی۔ لیکن حضرتِ علامہ خاموش تھے۔ لہٰذا مصلحتاً میں بھی خاموش رہا۔ آخر خدا خدا کر کے ۱۵ اگست کو ایک گرامی نامہ موصول ہوا۔

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط مل گیا ہے۔ کتاب الطواسین بذریعہ ڈاک لکھنؤ سے آگئی ہے۔ جلسۂ لیگ ملتوی ہو گیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ہوگا، غالباً لکھنؤ میں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور جگہ ہو، لکھنؤ پنجاب والوں کے لیے دور دراز ہے۔ بہت سے لوگ جانے کو تیار تھے مگر اخراجات سے گھبراتے تھے۔ عابد حسین صاحب سے کہہ دیجیے کہ مناسب ترمیم کے بعد بل بھجوا دیں۔ میں روپیہ بھجوا دوں گا۔

سورتی صاحب سے ضرور مل لیجیے۔ وہ آپ کو تراجم کے متعلق (بالخصوص اصطلاحات تراجم کے متعلق) بہت مفید مشورہ دیں گے۔ عابد صاحب سے یہ بھی پوچھیے کہ فاؤسٹ میں PROLEGOMENA IN HEAVEN کا کیا اردو ترجمہ انھوں نے کیا ہے[۵۵] والسلام

محمد اقبال

[۵۵] مکتوباتِ اقبال مرتبہ نذیر نیازی - ایڈیشن اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۲۹ - ۳۰

میسینون نے ابن حلاج کے متعلق مفصل تحقیق کی ہے ۔ کتاب الطواسین ابن حلاج کی گفتار کا مجموعہ ہے ۔ یہ مجموعۂ گفتار عربی اور فارسی دو زبانوں میں ہے ۔ کتاب الطواسین اقبال کی عزیز ترین کتب میں سے تھی ۔ میسینون نے ۱۹۱۳ء میں پیرس سے اس کو شائع کرایا تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ ابنِ حلاج کی عارفانہ گفتگو چند مقامات پر ناقابلِ فہم ہے ۔ ان دو تین مقامات کے علاوہ باقی سب باتیں معنی خیز اور گہری ہیں ۔ اس کتاب پر غور کرنے سے ابنِ حلاّج کی زبردست شخصیت سامنے آتی ہے ۔

لفظ طواسین، طاسین کی جمع ہے ۔ یہ قرآنِ مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے ۔ ان کے معنی معلوم کرنا ناممکن ہے ۔ ابن حلاّج نے اسی لیے اپنی کتاب کا نام کتاب الطواسین رکھا کہ اس میں اسرار و رموز اور تصوف کے راز جمع کیے گئے تھے ۔

کتاب الطواسین مندرجہ ذیل گیارہ طاسین پر مشتمل ہے :

۱۔ طاسینِ معراج محمدی
۲۔ طاسینِ فہم
۳۔ طاسینِ صفا
۴۔ طاسینِ دائرہ
۵۔ طاسینِ نقطہ
۶۔ طاسینِ ازل والتباس
۷۔ طاسینِ مشیت
۸۔ طاسینِ توحید
۹۔ طاسینِ اسرارِ توحید
۱۰۔ طاسینِ تنزیہہ
۱۱۔ طاسینِ بوستان معرفت

۱۹۲۹ء میں میسینون نے ایک کتاب "RECUEIL DE TEXTES INDEITS" ایڈٹ کی ۔ یہ کتاب فارسی اور عربی زبان میں ہے ۔ میسینون نے وہ کتاب امراؤ سنگھ کو پیش کی تو امراؤ سنگھ نے اس نوٹ کے ساتھ وہ کتاب علامہ کی خدمت میں ارسال کی کہ یہ آپ کے لائق ہے ۔ میرے نہیں ۔ اب یہ کتاب اسلامیہ کالج سول لائنز میں مخزونہ اقبال کولیکشن کی زینت ہے ۔ اس کتاب کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے ۔

اس کتاب کا موضوع تصوف اور تاریخ تصوف ہے ۔ جس میں میسینون نے حیات، حیات بعد ممات، روح اور حقیقتِ روح کے متعلق مختلف مسلمان صوفیا اور صوفی شعرا کے اقوال فارسی اور عربی میں جمع کیے ہیں ۔ ان صوفی شعرا اور صوفیا کا مختصر سوانحی خاکہ بھی فرانسیسی زبان میں تحریر کیا ہے ۔ یہ کتاب ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے میسینون نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے سیکشن میں پہلی صدی ہجری سے ۲۹۰ ہجری تک کے صوفیا کا

کا کلام اور سوانحی خاکہ ہے ۔ دوسرا سیکشن ۲۹۰ھ سے ۵۷۰ھ تک کے صوفیا کے کلام اور سوانحی خاکے سے مزین ہے ۔ تیسرا سیکشن ۵۷۰ھ سے شروع ہو کر آخری دور تک آتا ہے ۔ اور چوتھا سیکشن مسلم صوفی فلسفیوں کے خیالات، فلسفہ اور ان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب پر امراؤ سنگھ نے ایک آٹھ سطری عبارت بزبانِ انگریزی لکھ کر علاّمہ کو ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو پیرس سے ارسال کی۔

حضرت علاّمہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک میسنون سے اپنا علمی اور ذاتی تعلق قائم رکھا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس زمانے میں پیرس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ حضرت علاّمہ نے ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کو یعنی اپنی رحلت سے تقریباً ۸ ماہ پہلے عبداللہ چغتائی کو خط لکھا اور اس میں اس عظیم فرانسیسی مستشرق کے نام سلام بھیجا ۔ خط کی نقل درج ذیل ہے ۔

لاہور۔ ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ !

آپ کا خط مل گیا ہے ۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں ۔ چغتائی صاحب سنا ہے کہ اب لاہور پہنچ گئے ہیں، لیکن مجھ سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی ۔ ان کے ذہن میں جو تجویز ہے، اس کے معلوم ہونے پر رائے ظاہر کر سکوں گا۔

اٹالین رسالوں کے مضامین کا انگریزی ترجمہ بہت جلد ارسال کیجیے ۔ بلکہ اصلی رسالے بھی ترجمہ کے ساتھ بھیج دیجیے ۔ یہ دونوں رسالے محفوظ رکھے جائیں گے اور جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کو دے دیے جائیں گے یا اگر آپ چاہیں تو ان کو بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے ۔ شیدائی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ سلام قبول کریں ۔ لاہور میں سخت گرمی ہے ۔ ساون کا مہینہ غیر معمولی طور پر خشک گزرا ہے ۔ آج کل پیرس میں خوب موسم ہوگا ۔ قادیان کے احمدیوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے اور خلیفہ قادیان پر ان کے باغی مریدوں کی ایک جماعت نے نہایت فحش الزام لگائے ہیں ۔ نقص امن کے احتمال سے وہاں کل سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا ہے۔

سید راس مسعود وزیر معارف بھوپال دفعتہً اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے ۔ خدائے تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے ۔ بڑے مخلص اور درد مند آدمی تھے ۔ پروفیسر MASSIGNON سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کیجیے ۔ والسلام[۵۶]

محمد اقبال

---

۵۶ اقبال نامہ ۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ۔ جلد دوم، ص ۳۴۶

علّامہ اقبال نے اس جہانِ فانی کو ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو خیر آباد کہا۔ میسینون ۱۹۴۵ء میں ہندوستان آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق کی وفات کے تقریباً ساڑھے سات سال بعد وہ ۱۵ جون ۱۹۴۵ء میں ان کی آرام گاہ پر حاضری دیتے ہیں۔ میسینون نے بھی اپنی زندگی کے آخری دنوں تک ان سے اپنا قلمی و روحانی رشتہ استوار رکھا۔ میسینون نے ۱۹۶۲ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کیا۔

ایوا میرووچ (Eva Meyerovitch) نے فرانسیسی میں علّامہ کی پیامِ مشرق اور جاوید نامہ کا ترجمہ کیا تو پیامِ مشرق کے ترجمے پر میسینون نے ایک مبسوط مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ میسینون نے ابنِ عربی کے فلسفے اور نظریات پر ایک مستند کتاب لکھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے عہدِ سپین پر بھی کام کیا۔ آپ کی کتاب اسطواسین ۱۹۱۳ء میں اور اخبار حلاج ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔

سطعات

از: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — اردو ترجمہ: مولانا سیّد محمد متین ہاشمی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی برّصغیر پاک و ہند کی وہ عظیم شخصیت ہیں، جنھیں پورے عالمِ اسلامی میں نہایت قابلِ فخر اور بلند مرتبت ہستی سمجھا جاتا ہے — وہ بہترین مصلح، بہت بڑے مصنّف، جیّد عالمِ دین، نامور مفسّر، جلیل القدر محدّث، بہت بڑے فقیہ، بلند پایہ مفکر اور عظیم صوفی تھے۔ ان کی تصنیفات اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں جن افکار و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ ہر دور کے لیے مفید اور قابلِ عمل ہیں۔

شاہ صاحب کی گراں قدر تصنیفات میں "سطعات" کو خاص اہمیّت حاصل ہے، اس کے اردو ترجمے کی شدید ضرورت تھی۔ ملک کے مشہور عالم مولانا سیّد محمد متین ہاشمی نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے — فاضل مترجم نے حل طلب مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں اور ایک جامع مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے حالات اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

قیمت: ۱۳ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور